47

تصوّرات

حضرت شاہِ ہمدان کے سیاسی نظریات

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

کلیم اختر

گفتۂ از حکمتِ زشت و نکوے
پیرِ دانا نکتۂ دیگر بگوے
مُرشدِ معنی نگاہاں بُودہٰ
محرمِ اسرارِ شاہاں بُودہٰ
ما فقیر و حکمراں خواہد خراج
چیست اصل اعتبار تخت و تاج

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ایران کے ممتاز و معروف دانشور اور سیاست دان آقائے علی اصغر حکمت حضرت شاہ ہمدانؒ کی تصنیف "ذخیرۃ الملوک" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یکی از آثار لطیفہ نثر فارسی کہ در قرن ہشتم ہجری کتابی است بنام ذخیرۃ الملوک کہ ہنوز در پردۂ اخفا مستور باشد و چوں شاہدان خوبروی در گوشہ کتب خانہ ہا چہرۂ زیبائی خود را از دیدۂ عاشقان معرفت پوشیدہ است"[1]

علامہ محمد اقبال نے اپنے ایک خط بنام منشی محمد الدین فوق میں اس کتاب کو دیکھنے کے شوق کا اظہار کیا ہے اور اپنی کتاب "جاوید نامہ" میں حضرت شاہ ہمدانؒ کی شخصیت و کردار اور افکار و نظریات کا احاطہ یوں کیا ہے:

سید السادات، سالار عجم
دست او معمار تقدیر اُمم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن کشور دین نظیر
میر و درویش و سلاطین را مشیر

خطّہ را آں شاہِ دریا آستیں
دادِ علم و صنعت و تہذیب و دیں
آفرید آں مردِ ایرانِ صغیر
با ہنر ہائے غریب و دلپذیر
یک نگاہِ او کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ[۳]

پھر ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

گفتۂ از حکمتِ زشت و نکوئے
پیر دانا نکتۂ دیگر بگوئے
مرشدِ معنیٰ نگاہاں بودہ
محرم اسرارِ شاہاں بودہ
با فقیر و حکمراں خواہد خراج!
چیست اصل اعتبارِ تخت و تاج[۴]

ممتاز مورخ اور سیاست دان ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے حضرت سید علی ابنِ شہاب المعروف شاہ ہمدانؒ کی کتاب "ذخیرۃ الملوک" کو "سیاسیات سے مربوط اخلاقیات" پر تصنیف قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خیال کی تائید "ہندوستان کے دورِ متوسط میں انصاف پر عمل درآمد" (انگریزی) کے مصنف محمد بشیر احمد نے بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ :

"ذخیرۃ الملوک" نظامِ اخلاق و سیاست پر مبنی" اہم ترین کتابوں میں شامل ہوتی ہے"۔

"پاکستان میں فارسی ادب" کے مصنف ڈاکٹر ظہور الدین، شاہ ہمدانؒ کی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ذخیرۃ الملوک بڑی اچھی اور فصیح زبان میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اکثر شاعرانہ اسلوبِ بیان سے کام لیا ہے۔ تشابیہ و استعارات کا استعمال بھی جا بجا کیا ہے۔ عبارت میں پختگی ہے۔ مصنف چونکہ شاعر بھی تھے اس لیے انہوں نے کہیں کہیں مسجع و مقفیٰ نثر لکھنے کا

التزام بھی کیا ہے لیکن خواہ مخواہ تکلف و تصنع پیدا نہیں کیا۔"[۵]

اپنی اس کتاب کی وجہ تسمیہ خود حضرت شاہ ہمدانؒ نے یہ بیان کی ہے:

"مدتِ مدید اور عرصۂ دراز ہو گیا تھا کہ اہلِ اسلام کے اکثر بادشاہ عالی مقام اور خلقت کے برگزیدہ حکام ذوالاحتشام اور اشرافِ امم کی جماعت کے چیدہ اور پسندیدہ اور امورِ دینی کی اصلاح میں سعی اور کوشش کرتے تھے اور دل کے آئینہ کو گناہوں کے گرد و غبار سے پاک اور صاف رکھنا چاہتے تھے (اللہ جل شانہ، ان کو بمعہ عیال و اطفال کے دنیا اور آخرت میں خیر نصیب کرے) حسنِ عقیدت کے لحاظ سے جو اس فقیر ناکارہ کے بارے میں رکھتے تھے، خفیہ کو اکثر کہتے تھے کہ ایک تذکرہ ایسا مفید لکھا جاوے جس سے عوام و خواص کو فائدہ پہنچے۔ عاجز اس امرِ مشکل کے انصرام کی بابت کچھ متردد اور متوقف ہی رہتا تھا اور علاوہ بریں کچھ کچھ زمانے کے حادثات اور ضروری امور کے واقعات بھی اس خیال کے حارج نظر آتے تھے۔ اُن دنوں ایک عزیزِ پُر تمیز کی سفارش نے مجھے مجبور کر دیا۔ چنانچہ عاجز کا ارادہ بھی اس رسالہ کی تالیف کی طرف پختہ ہو گیا۔ خدا کے فضل اور اللہ کی مدد سے یہ چھوٹا سا رسالہ جو سلطنتِ ظاہری اور باطنی کا راہنما اور احکامِ حکومت اور سلطنت کا پیشوا ہے، اس باب میں لکھا گیا۔"[۶]

حضرت شاہ ہمدانؒ ۱۲۔ رجب ۷۱۴ ہجری بمطابق ۲۱۔ اکتوبر ۱۳۱۴ء میں ہمدان میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ ہجری بمطابق ۱۳۸۴ء انتقال فرما گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ اپنے عہد کے بڑے ولی اللہ مجاہد اسلام اور مجددِ وقت تھے، یہی نہیں بلکہ آپ سیاستدان اور رموزِ سلطنت کے شناور بھی تھے اور آپ کی سیاسی و عمرانی بصیرت و حکمت کا شہرہ چار دانگِ عالم میں تھا ـــــ بقول ڈاکٹر محمد ریاض:

"شاہ ہمدانؒ بادشاہوں اور حاکموں کے مشیر و مشاور تھے۔ ہمدان سے کشمیر تک بجز امیر تیمور تمام بادشاہ و امرا ان کے معتقد تھے۔ بعض حکام نے شروع میں ان کو ایذا بھی دی مگر بعد میں تلافیِ مافات بھی کر لی۔

شاہ صاحب پر کچھ مصائب علمائے سُوء کے ہاتھوں بھی وارد ہوئے۔ یہ مردِ حق شناس، شیاطینِ انس وجن سب سے نبرد آزما رہا۔ سلاطین کا مشیر ہونے کی حیثیت سے شاہ صاحب نے بڑی خدمات انجام دیں۔ پاخلی کے حکام علاؤالدین اور خضر شاہ اور بلخ وبخارا کے حاکم سلطان محمد ان کے والا وشیدا اور ارادت مند تھے۔ نیز سلاطینِ کشمیر شہاب الدین وقطب الدین کی ارادت بھی مسلّمہ تھی۔[۷]

حضرت شاہ ہمدانؒ کے دور میں امیر تیمور ایک جابر وظالم فاتح کے طور پر پوری دنیا میں مشہور تھا اور بقول فرانسیسی مؤرخ روئے دے گونزالز کلاویز RUYDE GONZALES CLAVIZA

"بادشاہ سمرقند تیمور جب مغلوں کی سرزمین فتح کر چکا تو اس نے سرزمینِ آفتاب (خراسان) کی طرف جو ایک وسیع مملکت ہے، توجہ کی اور اسے بھی نہ کیا۔ پھر ملکِ خوارزم بھی زیر کر لیا اور پورے ایران اور مازندران کا فاتح بن گیا جس میں تبریز اور سلطانیہ بھی شامل ہیں — یہاں تک کہ اس نے "ارضِ حریہ" اور "ارضِ ابواب" کو بھی فتح کر لیا اور آرمینیا کوچک، ارضِ روم اور کردستان پر قابض ہو گیا۔ جب وہ شہنشاہِ ہندوستان کو شکست دینے اور دمشق کو برباد کرنے کے بعد حلب، بابل اور بغداد ایسے شہروں کو بھی فتح کر چکا اور بہت سی جنگوں میں کامیاب ہوا تو بایزید کے مقابلے پر آیا جو دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں تھا اور اسے بھی شکست دے کر قیدی بنالیا۔"[۸]

حقیقتاً وہ زمانہ دنیائے اسلام میں افراتفری، ذہنی پریشانی اور سیاسی بے چارگی کا تھا۔ زوالِ بغداد کے بعد مصر میں خلافتِ عباسیہ دم توڑ رہی تھی۔ اُدھر خلافت عثمانیہ کی نیو رکھی جا چکی تھی اور بایزید (یلدرم) انگریزوں سے نبرد آزما تھا۔ ایران میں بھی خانہ جنگی کی کیفیت تھی۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"سلطان ابوسعید نے ۷۳۶ ہجری میں وفات پائی۔ تمام ملک نے اس کے مرنے کا ماتم کیا۔ یہاں تک کہ مسجد کے میناروں پر بھی ماتمی

کپڑے پہنے گئے اور ہر شہر کے گلی کوچوں میں کئی کئی دن تک خاک اڑتی رہی۔ چونکہ سلطان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے ہر طرف سے سرداروں نے خودسری کی۔ آذربائیجان، امیر چوپان و شیخ حسن جلایر نے دبالیا۔ عراق اور فارس پر مظفر نے قبضہ کیا۔ غرض ۷۳۶ ہجری سے ۷۸۱ ہجری تک تمام قومیں پریشان رہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے فرماں روا آپس میں لڑتے بھڑتے رہے۔ یہی زمانہ ہے جو تاریخ میں طوائف الملوکی کے نام سے مشہور ہے۔[۹]

"بالآخر تیمور اٹھا اور تمام دعوے داروں کو شکست دے کر شہنشاہی قائم کی۔"

آگے چل کر علامہ شبلی نعمانی مزید لکھتے ہیں:

"تاتار اور تیمور کی عام سفاکی نے قوموں کی قومیں غارت کر دیں۔ بڑے بڑے کجکلاہوں اور اورنگ نشینوں کا تاج و تخت خاک میں ملا دیا۔ خراسان سے لے کر شام تک زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا ام الدنیا بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ـــــ تمام بڑے بڑے پائے تختوں میں خاک اڑنے لگی۔ کم از کم پچاس ساٹھ لاکھ آدمی ایک دم سے فنا ہو گئے۔"[۱۰]

حقیقت یہ ہے کہ بایزید (یلدرم) کی اسیری اور موت، امیر تیمور کے پے در پے حملوں، صلیبی جنگوں، مسلمانوں کے حکمرانوں کی باہمی غلط فہمیوں، شاہوں کی خود غرضیوں، اقتدار کی کشمکش اور اسلام احکام سے انحراف سے اسلامی سلطنت کو زوال آیا ـــــ یہ تھا وہ دور جو حضرت شاہ ہمدانؒ نے بچشم خود دیکھا بلکہ اکثر کتابوں میں امیر تیمور اور حضرت شاہ ہمدانؒ کی ملاقاتوں کا ذکر بھی ملتا ہے اور بیشتر مؤرخین اور مصنفین نے لکھا ہے کہ امیر تیمور، حضرت شاہ ہمدانؒ کی عوام میں مقبولیت، اور روحانی قوت و شوکت سے خائف ہو گیا تھا۔ نیز بہت سے سرکاری لوگوں نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ حضرت شاہ ہمدانؒ کی روحانی و باطنی اور عوامی قوت اسے لے ڈوبے گی۔ اس پر امیر تیمور نے حضرت شاہ ہمدانؒ کے دوست اور مرید امیرزادہ خواجہ اسحٰق ختلانی سے بازپرس کی اور جرمانہ کیا لیکن وہ شاہ ہمدانؒ کی رفاقت اور ارادت سے باز نہ آیا۔ اس پر اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

سُنّی مسلمان تھا اور ہر معاملہ میں شریعت کے مطابق چلنے کی کوشش کرتا اور علماء سے مشورہ لیتا تھا۔ مشائخ کا بے حد احترام کرتا اور مزاروں پر دعا کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس کی تخت نشینی میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ نصیر الدین محمود نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ تاہم جب حضرت شاہ ہمدانؒ کشمیر تشریف لائے تو مؤرخِ کشمیر منشی محمد الدین فوق کے بقول:

"شہاب الدین والیِ کشمیر (۷۷۳ ہجری بمطابق ۱۳۷۲ء) ۵۰ ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل فوج آراستہ کر کے بارہ مولا کے راستے سے ملک میں نکل کھڑا ہوا۔ یوسف زئیوں کا ملک، سوات، باجوڑ اور پشاور فتح کر کے اسے خبر ملی کہ شاہانِ دہلی کی بدانتظامی نے ملک میں شور و فساد برپا کر رکھا ہے۔[۱۳]

موقع غنیمت جان کر اس نے پہلے تو ملتان اور لاہور پر حملہ آور ہو کر ان علاقوں کو فتح کیا اور پھر تقریباً تمام ملک، پنجاب کو روندتا ہوا عازمِ دہلی ہوا۔ جب دریائے ستلج کے کنارے پر پہنچا تو فیروز شاہ تغلق کی فوج جو سلطان کے مقابلے پر متعین تھی، آن پہنچی اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی۔ خاندانِ تغلق کی حکومت پہلے ہی بوسیدہ ہو رہی تھی اور بادشاہِ دہلی میں شہاب الدین جیسے خونخوار دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی اس لیے پس و پیش ہی میں تھا کہ امیرِ کبیر سید علی ہمدانی جو قطب الاقطاب دوراں تھے، درمیان میں آ گئے اور انہوں نے سلطان شہاب الدین کو صلح کر لینے کا حکم دیا۔ راسخ الاعتقاد سلطان ان کے فرمان کے مطابق صلح پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت ۷۷۵ ہجری میں عہد نامہ لکھا گیا جس کی رُو سے قرار پایا کہ سرہند سے کشمیر تک کا تمام علاقہ سلطان شہاب الدین کے تصرّف میں رہے اور باقی ملک بدستور فیروز شاہ تغلق کے زیرِ حکومت تصوّر کیا جائے۔"[۱۴]

اسی سلطان شہاب الدین کے بارے میں علامہ اقبال نے جاوید نامہ[۱۵] میں یہ کہا ہے ؎

بہر حال حضرت شاہ ہمدانؒ کے ترکِ وطن کا اشارہ غیب سے ہو چکا تھا۔ آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کشمیر جانے کا حکم دیا تھا۔ امیر تیمور سے مکالمہ تو محض ایک بہانہ بنا ــــ۔ آپ نے امیر تیمور کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا اور شانِ خودداری قائم رکھی بلکہ اس کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جب امیر تیمور کو حضرت شاہ ہمدانؒ کے ترکِ وطن کا علم ہوا تو اس نے آپ سے معذرت چاہی مگر حضرت شاہ ہمدانؒ نے فرمایا:

"ہمیں راضی کرنے کی بجائے ہماری باتوں پر عمل کرو اور لوگوں کے ساتھ انصاف برتو۔"

امیر تیمور نے حضرت شاہ ہمدانؒ کے ارشادات پر کہاں تک عمل کیا، یہاں اس سے بحث نہیں البتہ "تزکِ تیموری" میں امیر تیمور نے جو "قوانین و آئینِ جہاں داری" لکھے ہیں ان میں اسلامی قوانین کی روح کارفرما ہے۔ اس آئین کی بہی شق اس طرح ہے:

"اوّل تو یہ کہ میرا مقصد جنگ و جدل خدا تعالیٰ کے دین اور حضرت محمدؐ کی شریعت کو دنیا میں فروغ دینا تھا۔ میں نے خود بھی شریعت کی حدود کے اندر رہ کر عمل کیا اور خداوند کریم سے رحم کا طالب رہا۔"

حضرت شاہ ہمدانؒ کا امیر تیمور کے ساتھ اختلاف ۷۷۳ ہجری میں ہوا اور آپ ۷۷۴ ہجری میں خطۂ کشمیر میں تشریف لائے۔ اس سے قبل آپ کے دو مرید اور چچازاد بھائی پیر سید تاج الدین سمنانی اور میر سید حسین سمنانی کشمیر میں وارد ہو چکے تھے۔ اس وقت کشمیر کا حاکم سلطان شہاب الدین (۷۶۰ - ۷۷۵) میر سید حسین سمنانی کا مرید بن چکا تھا۔ یاد رہے کہ شاہ ہمدانؒ اس سے پیشتر ۷۴۰ھ یا ۷۴۱ھ میں کشمیر آ چکے تھے مگر ان کا عرصۂ قیام مختصر تھا۔ ۷۶۰ ہجری میں سید حسین سمنانی اور سید تاج الدین سمنانی یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ہندوستان میں شاہ ہمدانؒ کی کشمیر میں آمد کے موقع پر تغلق خاندان کی حکومت تھی ــــ اور فیروز شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت تھا۔ وہ ایک علم پرور انسان اور علمائے کرام کا دوست تھا۔ اس نے اپنے دور کے علماء اور صوفیاء کی بہت خدمت کی۔ ضیاء الدین برنی اور شمس راج ایسے مؤرخین نے اسی کے سایۂ عاطفت میں تاریخیں مرتب کیں۔ مذہبی اعتقادات کے اعتبار سے وہ ایک پابند شریعت

سُنّی مسلمان تھا اور ہر معاملہ میں شریعت کے مطابق چلنے کی کوشش کرتا اور علماء سے مشورہ لیتا تھا۔ مشائخ کا بے حد احترام کرتا اور مزاروں پر دعا کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس کی تخت نشینی میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ نصیر الدین محمود نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ تاہم جب حضرت شاہ ہمدانؒ کشمیر تشریف لائے تو مؤرخِ کشمیر منشی محمد الدین فوق کے بقول:

"شہاب الدین والیِ کشمیر (۷۷۳ ہجری بمطابق ۱۳۷۲ء) ۵۰ ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادل فوج آراستہ کر کے بارہ مولا کے راستے سے ملک سے نکل کھڑا ہوا۔ یوسف زئیوں کا ملک سوات، باجوڑ اور پشاور فتح کر کے اسے خبر ملی کہ شاہانِ دہلی کی بدانتظامی نے ملک میں شور و فساد برپا کر رکھا ہے۔[13]

موقع غنیمت جان کر اس نے پہلے تو ملتان اور لاہور پر حملہ آور ہو کر ان علاقوں کو فتح کیا اور پھر تقریباً تمام ملک پنجاب کو روندتا ہوا عازمِ دہلی ہوا۔ جب دریائے ستلج کے کنارے پر پہنچا تو فیروز شاہ تغلق کی فوج جو سلطان کے مقابلے پر متعین تھی، آن پہنچی اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی۔ خاندانِ تغلق کی حکومت پہلے ہی بوسیدہ ہو رہی تھی اور بادشاہِ دہلی میں شہاب الدین جیسے خونخوار دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی اس لیے بس دیش ہی میں تھا کہ امیرِ کبیر سید علی ہمدانی جو قطب الاقطاب دوراں تھے، درمیان میں آ گئے اور انہوں نے سلطان شہاب الدین کو صلح کر لینے کا حکم دیا۔ راسخ الاعتقاد سلطان ان کے فرمان کے مطابق صلح پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت ۷۷۵ ہجری میں عہد نامہ لکھا گیا جس کی رُو سے قرار پایا کہ سرہند سے کشمیر تک کا تمام علاقہ سلطان شہاب الدین کے تصرف میں رہے اور باقی ملک بدستور فیروز شاہ تغلق کے زیرِ حکومت تصوّر کیا جائے۔"[14]

اسی سلطان شہاب الدین کے بارے میں علامہ اقبال نے جاوید نامہ[15] میں یہ کہا ہے ؎

عمرہا گل رخت بر بست دگشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد

کشمیر میں آنے کے بعد شاہ ہمدانؒ نے بقول لینٹ LIENT اسلامی روح کا ایک ولولہ خیز ذوق و شوق پیدا کیا اور ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ سلطان شہاب الدین نے آپ ہی کی ایما پر علومِ اسلامیہ کا پہلا مدرسہ قائم کیا۔ بعد میں سلطان قطب الدین نے بھی ایک مدرسہ عروۃ الوثقیٰ کے نام سے جاری کیا۔ اسلامی تبلیغ کے علاوہ شاہ ہمدانؒ نے کشمیریوں کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کیا اور لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ ابھارا۔

شاہ ہمدانؒ کی اس خدمت کے بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"آپ نے اور آپ کے رفقا نے بڑی سرگرمی سے اشاعتِ اسلام شروع کی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی کوششوں سے ۳۷ ہزار کشمیری دائرہ اسلام میں آئے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں مثلاً "مجمع الاحادیث"، "شرح اسمائے حسنیٰ"، "شرح فصوص الحکم"، "مراۃ التائبین"، "ذخیرۃ الملوک"۔ آپ کی آخری تصنیف ملکی اور سیاسی مصلحتوں سے متعلق ہے اور آپ کے رفقاء کی کوششوں سے اسلام کشمیر میں مستحکم بنیادوں پر قائم ہوگیا۔"[۱۶]

آپ نے کشمیر کے بعض سیاسی معاملات میں دخل دیا مثلاً جب آپ کشمیر تشریف لائے تو کشمیر کا بادشاہ ہند کے حاکم سے (جو اٹک سے ۱۶ میل شمال کو ایک پرانی اور اہم بستی ہے) برسرِ پیکار تھا۔ آپ نے محاذِ جنگ پر جا کر دونوں میں صلح کرا دی۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کا دو مسلمان حکمرانوں میں جنگ ختم کرانا اور ان کے مابین صلح و سلامتی بحال کرانا، ان کے اتحادِ عالمِ اسلامی کے جذبہ کا شاندار مظہر ہے مگر ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد سلطنت کی مرکزیت بالکلیہ ختم ہوگئی۔ امیر تیمور کے حملہ نے سلطنت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس زوال کے اسباب حضرت شاہ ہمدانؒ کے سامنے تھے بلکہ انہوں نے دنیائے اسلام کی مرکزیت کو بھی لٹتے دیکھا تھا۔ وہ بادشاہ اور رعایا کی رہنمائی کے لیے ایک ایسا مبسوط منشور لکھنا چاہتے تھے، جس کی اساس قرآن کریم اور احادیث نبویؐ پر ہو تاکہ سیاسی میدان میں ملتِ اسلامیہ کی ناکامیوں کو روکا جاسکے۔

اس زمانہ میں پوری مسلم دنیا میں تصوف اور سیاست، دونوں کی شورا شوری تھی۔ بعض ممالک میں سیاست و تصوف اور فقہی مسائل نے ایک عجیب انداز اختیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ یہ ذہنی اور سیاسی خلفشار، باہمی جھگڑوں کی وجہ بن رہا تھا۔

اس دور کی مسلم حکومتوں میں ایک بنیادی نقص یہ تھا کہ ان میں تخت کی وراثت کا کوئی مسلمہ قانون نہیں تھا۔ حکمران کی وفات کے بعد جنگ و جدل شروع ہو جاتا اور طاقت کا بیجا استعمال سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دیتا تھا۔ ہر اسلامی ملک جلد یا بدیر ایسے ہی امور و مسائل میں الجھ جاتا تھا۔ پھر ان کے ہاں فقہی اور فلسفیانہ مسائل نے امت کو منتشر خیالی میں مبتلا کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر مسلم ملک انتشار و خلفشار کا شکار رہتا۔ جس ملک کا حاکم طاقتور ہوتا وہ اپنی مرضی و منشا سے حکومت قائم کر لیتا۔

حضرت شاہ ہمدانؒ ایک بزرگ کامل تھے۔ آپ اسرار شریعت کے ماہر اور اجتہاد و بصیرت کا چراغ تھے اور یہ جانتے تھے کہ اسلام کیا ہے؟ اور قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ کی روح اور مفہوم کیا ہے؟

آپ نے مسلمانوں کو اپنی تعلیمات و نظریات، جن کی اساس بلاشبہ توحید اور رسالتؐ پر تھی، سے آگاہ کیا اور کہا کہ عدل سیکھو۔ تزکیۂ نفس اور قناعت و توکل کو شعار بناؤ۔ کمزوروں اور غلاموں کی مدد کرو۔ آپ نے اس ضمن میں کئی کتب و رسائل لکھے۔ ان سب کی روح اسلامی ہے بلکہ اگر ہم اس دور میں ان کی کوششوں کو اجتہادی یا اسلامی فکر کی جدید تشکیل کہیں تو غلط نہ ہوگا۔

آپ نے سیاست دانوں اور اہل تصوف، دونوں کی رہنمائی کے لیے قلمی جہاد کیا۔ رسالہ "ذہ قاعدہ" میں ان لوگوں کی رہنمائی کی ہے جو "دیدار الٰہی" کے طالب اور خواہش مند ہیں اور اس میں جو اصول وضع کیے ہیں ان میں توبہ، زہد، توکل، قناعت، عزلت، ذکر، توحید، صبر، مراقبہ اور رضا شامل ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کی ظاہری و باطنی شخصیت میں ایسا نکھار پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی معاملے میں سدا اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا۔

چونکہ اس دور میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اہل تصوف کا اہل اقتدار و اختیار پر اثر و رسوخ تھا اس لیے آپ نے ان بزرگوں کی پہچان کی نشانیاں بھی بتائی ہیں تاکہ عوام یہ جان سکیں کہ حکمرانوں کے مشیر کون ہیں اور کیسے ہونے چاہییں؟

"رسالہ درویشیہ" میں بھی تفقہ باطن اور اخلاص فی العمل کا درس ہے۔ ان کتب کے

تالیف کرنے کا مقصدِ اولیٰ یہی تھا کہ ایک انسان ظاہری اور باطنی دونوں طور سے اعلیٰ اخلاق کا حامل بن جائے کیونکہ جو معاشرہ با اخلاق افراد کا حامل ہوتا ہے وہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کا ایک نظریہ یہ ہے کہ :

"کوچۂ فقر کے راہرو نفس و شیطان کا دھوکہ نہ کھائیں اور اپنی معمولی یا غیر معمولی کامیابیوں پر نہ اترائیں۔ عیب، غرور، بخل، غصہ، حرص اور حسد امراضِ قلب ہیں اور ان کے حامل ترقی نہیں پا سکتے۔"

آپ فرماتے ہیں :

"میرے عزیز! اس عہد کے کئی پیر اور مشائخ شیاطین کی راہ پر گامزن ہیں اور اپنے آپ کو "سلاطینِ فقیر" کا نام دیے ہوئے ہیں۔ اولیاء اللہ اور اربابِ یقین کی نقالی سے ان کو وہ درجہ نہیں مل سکتا۔ یہ لوگ اپنے الحاد و فسق و فجور، رقص و سرود اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت سب کا احتساب کریں۔ قیامت کے دن یہ لوگ برائیوں اور گمراہیوں کو نہ روکنے کے جرم میں ماخوذ ہوں گے۔

میرے عزیز!!

افسوس کہ سلاطین، حکام اور نام نہاد علما کو ترویجِ دین سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ یہ خود دین سے بے بہرہ ہیں اور مذکورہ متردد درویشوں کی طرح اکلِ حرام، لہو و لعب، شر و نفس، امورِ شیطانی حرص و ہوا اور زخارفِ دنیوی کے دلدادہ ہیں۔ حکام و سلاطین، فاسق و فاجر افراد کی صحبت کے طالب ہیں اور مخلوقِ خداوندی کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرنے کے نتیجے میں سخت دل ہو چکے ہیں۔

میرے عزیز!!!

جب عالم، مشائخ، حکام و سلاطین اور علما نے شرعِ محمدیؐ سے منہ موڑ رکھا ہے تو سوائے افسوس کے ہم کیا کہیں؟ اہل اللہ

اور اربابِ قلوب مذکورہ گروہوں سے اپنے انتساب کو باعثِ عار جانتے ہیں ان حالات میں اللہ ہی سے امداد مانگی جاتی ہے کہ وہ اصلاحِ احوال کر سکیں۔"

حضرت شاہ ہمدانؒ کا نظریہ ہے کہ طاعتِ خداوندی اور پیروی نفس میں اشتراک اور نباہ ناممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"میرے عزیز!

طاعتِ خداوندی اور پیروی نفس میں اشتراک و اتحاد ناممکن ہے جب تک نفسانی خواہشات قابو میں نہ ہوں، صبر و شکر پر عمل نہ کیا جائے اور ہر عمل کا مدعا رضائے خداوندی کو نہ سمجھا جائے، طاعتِ خداوندی کی حقیقی حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی تھی کہ آپ اپنی امت کو بتا دیں، جو رضائے خداوندی چاہتا ہے وہ نفس کی مخالفت کرے۔ ورنہ اس کا قلب اطاعات و عبادات کے اثرات سے کورا رہے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب لشکرِ اسلام ان کی سرکردگی میں فتح خیبر کے بعد لوٹا اور آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں پہنچا تو آپؐ نے فرمایا:

"ہم جہادِ اصغر سے لوٹ آئے ہیں اور ابھی جہادِ اکبر درپیش ہے۔"

لوگوں نے عرض کی: "جہادِ اکبر کون سا ہے؟"

فرمایا: "اپنے نفس سے جہاد۔ اس دشمن سے ہمیشہ جہاد کرنا، جو دو پہلوؤں کے درمیان براجمان ہے۔"

نظامِ حکومت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر "رسولِ خدا کے "میثاقِ مدینہ" کے مطابق رہا۔ جسے امتِ مسلمہ کا پہلا سیاسی و انتظامی دستور کہا جا سکتا ہے۔ اسلام میں اس میثاق کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ اسے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدوّن کیا تھا۔ اسلام میں مقتدرِ اعلیٰ خداوند کریم کو قرار دیا گیا ہے حضرت شاہ ہمدانؒ کے سیاسی افکار کی بھی یہی بنیاد ہے۔

پروفیسر رشید احمد نے قرآنی نظریۂ مملکت کے جو بنیادی اصول بتائے ہیں ان میں حکومت کا کام

قیامِ امن، قیامِ عدل، اصلاحِ معاشرہ، قانونِ شریعت، کفر کا انسداد، شوریٰ، زکوٰۃ اور ارکانِ اسلام کی پابندی ہے۔

پروفیسر رشید احمد لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار دنیا کو صحیح معنوں میں یہ بتلایا کہ مذہب و سیاست جدا نہ ہونے والی چیزیں ہیں۔ حتیٰ کہ یہودیوں میں دین و سیاست کی یکجہتی مسلّم تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی موجودگی میں ہی سرکش نے ان سے درخواست کی کہ وہ جنگ کرنے کے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ـــــ (یہودیوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو جس کے ساتھ مل کر خدا کی راہ میں جنگ کر سکیں) ـــــ اس طرح یہودیوں میں نبوت اور بادشاہت جدا جدا منصب تھے۔ عیسائیت نے بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ ان میں قیصر اور کلیسا کے دو علیحدہ علیحدہ ادارے باقاعدہ طور پر تسلیم کیے گئے ہیں لیکن اسلام میں دین اور دنیا، مذہب و سیاست لازم و ملزوم قرار دیے گئے۔"[۸]

تاریخ شاہد ہے کہ ہر عہد اور ہر دور میں مسلم مفکرین نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ فارابی نے دین کے ساتھ مذہب کو رکھا ہے اور مقتدرِ اعلیٰ کے لیے بارہ صفات کو ضروری قرار دیا ہے:

۱۔ جسمانی لحاظ سے بے عیب ہو اور اس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو۔

۲۔ ذکی اور عاقل ہو۔

۳۔ قوتِ بیانیہ اس قدر تیز ہو کہ جو کچھ کہے اس کا نقشہ سننے والے کے سامنے کھنچ جائے۔

۴۔ کم سے کم بحث مباحثہ سے چیزوں کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۵۔ قوی حافظہ کا مالک ہو۔

۶۔ حسبِ خواہش لوگوں پر علم کے لیے اپنی محبت واضح کر سکے۔

۷۔ لہو و لعب سے متنفر ہو۔

۸۔ خواہشاتِ نفسانی پر مکمل قابو رکھتا ہو خصوصاً خور و نوش اور جنسی تعلقات میں حد سے آگے نہ بڑھے۔

۹۔ سچ سے محبت اور جھوٹ سے پرہیز کرتا ہو۔

۱۰۔ وسیع القلب ہو۔ اس کو عدل اور انصاف سے خصوصی لگاؤ ہو ظلم اور تشدد کے پاس بھی نہ پھٹکے۔

۱۱۔ جس چیز کو بہتر سمجھتا ہو اسے بلا خوفِ تردید نافذ کر سکے۔

۱۲۔ اس کا خزانہ وافر ہو اور وہ کافی دولت کا مالک ہو۔

سیاسی افکار میں فارابی کے بعد الماوردی کا نام آتا ہے۔ اس کا طرزِ استدلال اسلامی ہے وہ قرآن و حدیث کو سرچشمۂ ہدایت سمجھتا ہے۔ اپنے خیالات کی توضیح و تائید حتی الامکان قرآن کریم کے حوالے سے کرتا ہے۔ اس کے سیاسی نظریات پر مشتمل کتاب کا نام "الاحکام السلطانیہ" ہے۔ اس کا خیال ہے کہ امام پوری قوم کے مشورے سے چنا جانا چاہیے لیکن ہر کس و ناکس کو رائے دینے کی اجازت بھی نہیں رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں رائے دہندگان کی اہلیت سے بحث کی گئی ہے۔ اس نے ووٹر کے لیے عمر، دولت یا رہائشی قیود کے بجائے اس کے نیک، صالح، متقی، عاقل اور دانا ہونے کی شرط لگائی ہے۔

الماوردی کا دور خلافتِ عباسیہ کا دور تھا۔ اس وقت حکومت کمزور ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں بے شمار خود مختار خاندانوں نے سرکشی کر کے مملکت کے مختلف حصوں پر قبضہ جما لیا تھا حتیٰ کہ دارالخلافہ بغداد بھی ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ تھا۔ لہٰذا اس نے جو نظریۂ سیاست پیش کیا اس میں امام کے فرائض کو اوّلیت دی جو اس طرح ہیں:

۱۔ دین کی حفاظت کرنا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ رعایا اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور ممنوعات سے پرہیز کرے۔

۲۔ عدل و انصاف کا بول بالا کرنا تاکہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کر سکے۔

۳۔ ملک میں امن و امان قائم رکھنا۔

۴۔ مجرمین کو سزا دینا۔
۵۔ حدودِ حکومت کی حفاظت کرنا۔
۶۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنا اور اگر کوئی قبولِ اسلام سے انکار کرے تو اس پر جزیہ عاید کرنا۔
۷۔ عوام سے زیادتی کے بغیر زکوٰۃ اور صدقات کی رقم وصول کرنا۔ اور خزانہ کو نہایت دیانت دار لوگوں کی تحویل میں دینا۔
۸۔ مستحقین کو باقاعدہ وظیفہ دینا۔
۹۔ انتظامِ حکومت صاحبِ ایمان اور قابل لوگوں کے سپرد کرنا بالخصوص والی اور عامل نہایت قابل اور لائق لوگ ہونے چاہئیں۔
۱۰۔ امورِ سلطنت پر کڑی نظر رکھنا۔ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔ نیز امورِ سلطنت کے سوا کسی اور کام میں، چاہے وہ ریاضت وعبادت ہی ہو، اس طرح مشغول نہ ہو تاکہ کاروبارِ خلافت میں خلل واقع ہو۔ نیز معاملاتِ حکومت کو دوسروں کے سپرد کر کے کسی کام میں منہمک نہ ہونا۔

الماوردی کا نظریۂ خلافت وسیاست مدتوں متنازعہ رہا ہے۔ وہ سنّی العقیدہ تھا اور اس کا مسلک شافعی تھا۔ وہ اپنے وقت کا لائق ترین ماہرِ قانون تھا۔ اس نے تیسری صدی ہجری کے دورِ اسلامی کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی حالات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ عباسی خلفا کے دورِ انحطاط کا شاہد تھا۔

نظام الملک طوسی نے بھی "سیاست نامہ" لکھا تھا جو ایک معروف کتاب ہے اور اس دور کے سیاسی زوال کو سنبھالا دینے کی کوشش کو بیان کرتی ہے۔

اگر ہم مسلمانوں کے سیاسی ومذہبی مفکرین پر نگاہ دوڑائیں تو ان میں امام غزالیؒ، طوسی، الماوردی، فارابی، ابن الطقطقی، ابن تیمیہ، ابنِ خلدون، ابنِ رشد، ابنِ عربی، شاہ ولی اللہ، سر سید احمد خاں، سید جمال الدین افغانی، اقبال وغیرہ پر مشتمل ایک طویل فہرست بنتی ہے۔ ان سب کا منبع قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ ہیں اور انہی کے حوالے سے ان مفکرین نے اسلامی نظریات کو پھیلایا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان میں سے بیشتر، خاص طور پر ابنِ رشد نے، یونانی افکار سے بھی استفادہ کیا ——— مگر

ابن الطقطقی نے اپنی کتاب "الفخری" میں "اسلامی اصولِ ریاست" کی وضاحت کی ہے اور وہ پہلا سیاسی اسلامی مفکر ہے جس نے حاکم اور رعایا کے تعلقات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کے فرائض اور حقوق بیان کیے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ جب تک فریقین اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہ ہوں، اس وقت تک کسی ریاست میں قیامِ امن و عدل اور نفاذِ قانون ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اطاعت، عزت و احترام، مشاورت، بادشاہ کی غیبت نہ کرنا، ضروری ہے۔

بادشاہ کا سلوک رعایا سے مشفقانہ ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ ہر معاملے میں خدا سے ڈرے عدل و انصاف، نظم و نسق، فوج، شوریٰ اور سفارت کے لیے اہل ترین افراد کو منتخب کرے۔

یہ تھے وہ سیاسی نظریات جو حضرت شاہ ہمدانؒ سے قبل مسلم مفکرین پیش کر چکے تھے اور انھوں نے اپنے تئیں اپنے زمانے کے حکمرانوں اور عوام دونوں کی رہنمائی کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنے حالات کے مطابق مسائل کا حل بھی پیش کیا تھا۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کا فلسفۂ سیاست بڑا سادہ مگر جامع ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے حالات کو نہ صرف دیکھا بلکہ آنے والے دور کا بھی اندازہ لگا لیا ـــــ اور اپنے نظریات کو بلا خوف و خطر پیش کیا۔ "ذخیرۃ الملوک" انہی اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظریات کا نچوڑ ہے۔

امام غزالیؒ کی مانند حضرت شاہ ہمدانؒ نے بھی دنیا کی سیاحت کی تھی بلکہ آپ نے تین بار دنیا کا سفر کیا۔ اس سیاحت کے دوران آپ نے ہر ملک کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کا جائزہ لیا اور مذہبی اقدار و روایات کو بھی دیکھا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ یہ وہ دور تھا کہ جب امیر تیمور کے حملوں سے ایشیا جل رہا تھا اور یورپ بھی اس سے لرزاں تھا۔ حضرت شاہ ہمدانؒ نے ایران کو بھی جلتے دیکھا اور ہندوستان کو بھی۔ بلادِ اسلامیہ بھی ان کے سامنے ریزہ ریزہ ہوئی اور عجیب اتفاق تھا کہ امام غزالیؒ کو بھی کچھ ایسا ہی ماحول میسر آیا تھا۔ اس وقت خلافت عباسیہ میں ضعف آ چکا تھا اور وہ بڑی سرعت سے زوال پذیر تھی، مسلم معاشرہ فقہی گروہ بندیوں کی کشمکش سے دوچار تھا۔ صلیبی جنگوں کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا۔ تصوف بھی اسی زمانے میں پھیل رہا تھا اور یونانی فلسفہ کے زیر اثر قوتوں کا ظہور بھی ہو رہا تھا۔ امام غزالیؒ نے انھیں دہریت، طبعیت اور الہیت کے نام دیے ہیں۔ اور ان کی رد میں اپنی مشہور کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" لکھی۔ ان کے نزدیک ایک فلسفی دین کے لیے خطرہ ہے کیونکہ وہ شریعت اور حدودِ شریعت کا احترام نہیں کرتا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب بغداد میں نظام الملک طوسی کے مدرسہ نظامیہ کا چرچا تھا۔ حالات کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ حضرت شاہ ہمدان

کو مدتوں بعد ایسے ہی حالات اور کش مکش کا سامنا ہوا اور وہ "ذخیرۃ الملوک" کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر کے بقول:

> "اس تحریر کا مقصد یہ تھا کہ شخصی حکمرانوں کو تقویٰ، پارسائی اور پاک بازی سکھائی جائے۔ اسی غرض سے سید ہمدانی، تہدید و وعید کے لیے مختلف روایات لائے ہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ حکمران طبقہ محض ذاتی آسائشوں میں مگن نہ رہے اس لیے آپ نے اسے عذابِ قبر سے خوف دلانے کے ساتھ ساتھ چنگ و رباب کی بھی مذمت کی ہے۔ اگر ہم یہ ذہن نشین کر لیں کہ ہر زمانہ اپنی خاص اقدار رکھتا ہے۔ اس کے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں تو "ذخیرۃ الملوک" ایک گراں مایہ ادبی شاہپارہ ہے۔"[19]

ہماری دانست میں شاہ ہمدانؒ نے امام غزالیؒ کی فکری و نظری تحریک کو آگے بڑھایا ہے حقیقت یہ ہے کہ امام غزالیؒ نے بھی امام کے وہی اوصاف گنوائے ہیں جو اس سے قبل الماوردی بیان کر چکا ہے تاہم بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر انہوں نے الماوردی کے اصولوں میں تبدیلیاں کی ہیں۔ جہاد کے لیے ہمت و شجاعت کا مالک ہونا خلیفہ کے لیے ایک بنیادی وصف سمجھا جاتا رہا ہے لیکن غزالیؒ کے زمانے میں باللہ (۴۸۷ھ بمطابق ۱۰۹۴ء تا ۵۱۲ھ بمطابق ۱۱۱۸ء) عباسی خلیفہ تھا۔ ۷۰ سال کی عمر میں زمامِ حکومت اس کے ہاتھ میں آئی۔ اس کے مقابلہ میں سلاجقہ کی طاقتور حکومت قائم تھی۔ امام غزالیؒ سلاطین کو خود مختار فرمانروا کے بجائے خلیفہ کے مطیع و فرمانبردار کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ نے "ذخیرۃ الملوک" میں معرفتِ الٰہی، دینِ حقانی اور اوامر و نواہی کا بیان کیا ہے اور شاہوں کو فرائضِ انسانی، لوازمِ جہانبانی اور آئینِ حکمرانی کے گُر بتائے ہیں۔

اس سے پیشتر کہ "ذخیرۃ الملوک" میں بیان کردہ سیاسی نظریہ کی وضاحت کی جائے، یہاں پر حضرت شاہ ہمدانؒ کی ایک اور تصنیف کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ یہ کتاب "الفتوۃ" ہے۔ اس میں جوانوں کو ہمت و شجاعت کا درس دیا گیا ہے۔ اسلامی دنیا میں تحریکِ فتوت بہت پرانی ہے یہ ایک اخلاقی اور نیم عسکری تحریک ہے جس کا مقصد باطنی اور ظاہری طاقت و شجاعت حاصل کرنا ہے اس تحریک کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا جاتا ہے۔

ہماری نظر میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی جس شجاعت و شوکت کو بیان کیا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے پیشِ نظر بھی تحریکِ فتوت ہی تھی۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ کا نظریۂ شجاعت امام غزالیؒ کے فکر و نظر سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ امام غزالیؒ خلیفہ کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ وہ اختیارات ایسے لوگوں کو تفویض کرے جو فی الحقیقت شوکت و قوت کے مالک ہوں لیکن لوگوں کے معاش کی ساری ذمہ داری خلیفہ پر ہے، نہ کہ اس شخص پر جس کے سپرد اختیارات کیے گئے ہوں۔

حضرت شاہ ہمدانؒ امام غزالیؒ کی مانند سیاسیات اور اخلاقیات یعنی دین و دنیا میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ فارابی کے نزدیک سیاسیات، فلسفہ کی ایک شاخ ہے ــــــ اور الماوردی کے سیاسی افکار پر تمام تر فقہ کا رنگ غالب ہے ــــــ ابنِ رشد کے سیاسی فلسفہ میں دینِ اسلام بحیثیت وحیِ الٰہی کے مرکزی اہمیت رکھتا ہے ــــــ ابنِ خلدون نے سیاسیات کو کسی دوسرے علم پر غالب نہیں آنے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

"الٰہیاتِ اسلامیہ کے اس مذہب میں جس کے امام غزالیؒ شارحِ اعظم ہیں، خودی یا انا کی حیثیت ایک وہ ناقابلِ تجزیہ اور ناقابلِ تحوّل جوہرِ روحانی ہے ۔"

حقیقت یہ ہے کہ "ذخیرۃ الملوک"، "سیاست و تصوف" کا مجموعہ ہے۔ چونکہ اسلام میں حکمرانی کے لیے خدا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت بنیادی اور لازمی ہے اس لیے حضرت شاہ ہمدانؒ نے بادشاہوں اور صوفیوں دونوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے یہ کتاب لکھی ہے لہٰذا جس دور میں یہ ضبطِ تحریر میں لائی گئی اُسے پیشِ نظر رکھا جائے تو لگتا ہے "ذخیرۃ الملوک" اُس دور کی ایک سیاسی و انقلابی کتاب تھی کیونکہ اس افراتفری میں سیاست، حکومت اور مذہب کی کشمکش سے خود حکمران طبقہ بھی عاجز آ گیا تھا اور بقول شاہ ہمدانؒ:

"سلاطین و حکام متمنی تھے کہ میں کچھ تحریر کروں۔"

مقصد یہ تھا کہ وہ بھی کوئی راہِ عمل چاہتے تھے اور اس گھپ اندھیرے میں روشنی کے خواہاں تھے اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے شاہوں اور عوام دونوں کو اپنے قول و عمل سے روشنی

دکھائی۔

چونکہ اسلام میں دین و سیاست کے جدا جدا ہونے کا تصور نہیں ہے اس لیے شاہ ہمدانؒ نے بھی اپنی کتاب میں دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

علامہ اقبالؒ بھی اس نظریہ کے قائل تھے بلکہ ان کا یہ شعر تو زبان زدِ خاص و عام ہے کہ ؎

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت شاہ ہمدانؒ نے "ذخیرۃ الملوک" کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب ایمان کی شرائط و احکام سے متعلق ہے۔

دینی شعار، حقوقِ عبودیت، نماز، زکوٰۃ، روزہ کو دوسرے باب میں رقم کیا ہے۔

تیسرے باب میں مکارمِ اخلاق اور حسنِ خلق کا تذکرہ ہے۔

چوتھے باب میں والدین کے حقوق، اولاد، اقربا، خدام، اجداد کے بارے میں ہدایات ہیں۔

اس کتاب کے جو باب سیاسیات کے حوالے سے اہم ہیں وہ پانچواں اور چھٹا ہیں۔

ان میں صدری سلطنت، ولایت، امارت، شرائط بادشاہی اور فرائضِ حکومت کا بیان ہے اور مغلولی سلطنت، خلافتِ انسانی کے اسرار، روحانی سیاست، جسمانی حکومت کی بہتری اور بربادی سے بحث کی گئی ہے اور ہر موضوع کو قرآن حکیم اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں اجاگر کر کے ہدایات دی گئی ہیں۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ کتاب علمائے کرام اور اولیائے عظام کے علاوہ دانشوروں کی توجہ کا بھی مرکز رہی ہے اور اُس دور کے اندازِ تحریر کے مطابق حسبِ موقع اشعار، افکار اور احادیثِ نبویؐ کو بڑی خوبصورتی سے کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

کئی ناقدین کا کہنا ہے کہ اس کا اسلوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی "کشف المحجوب" کی مانند ہے ـــــ اور کسی نے اسے شیخ سعدیؒ کی کتابوں کی مانند ادبی شاہکار کہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حکمرانوں اور عوام دونوں کے لیے ایک سیاسی کتاب ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کا سیاسی نظریہ جو اس کتاب سے واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ ایک حکمران میں دو فراستوں کا ہونا بیحد ضروری ہے:

۱۔ فراستِ شرعی اور
۲۔ فراستِ حکمی

فراستِ شرعی یہ ہے کہ وہ احکامِ خداوندی سے استنباط و اجتہاد اور استدلال کر سکے اور اس کا ہر حکم شریعت کے مطابق ہو۔

جبکہ فراستِ حکمی میں خیانہ شناسی، مزاج شناسی اور عادات کو جاننا اور سمجھنا شامل ہے۔

یعنی...... حکمران ماہرِ نفسیات اور انسان شناس ہو۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کے سیاسی نظریے کے چند اساسی اصول یہ ہیں:

۱۔ بادشاہ خود کو رعیت سے الگ نہ جانے۔
۲۔ مسلمانوں کی حاجتوں کے قضا کرنے کو بہترین عبادت سمجھے۔
۳۔ کھانے اور لباس میں خلفائے راشدین کی اقتداء کرے۔
۴۔ شرعی حکم جاری کرنے میں بلاوجہ سختی نہ کرے۔
۵۔ خلقت کی خوشنودی کے لیے حکمِ الٰہی میں سستی و کوتاہی نہ کرے اور اس کی خوشنودی کے لیے خدا اور شرع کی مخالفت نہ کرے۔
۶۔ حکومت اور ولایت کے خطرات سے غافل نہ ہو۔
۷۔ صلحاء اور علماء دین کی صحبت کا خواستگار ہو۔
۸۔ تکبر کر کے خلقت کو اپنے سے بیزار نہ کرے۔
۹۔ اپنے نوکروں چاکروں کی خیانت سے غافل نہ ہو اور بھیڑیا صفت ظالموں کو بے چارے مظلوموں پر افسر نہ بنائے۔ جب ایک کا ظلم اور خیانت ظاہر ہو جائے تو اس کا مؤاخذہ کرے اور سزا دے۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو۔ بادشاہی، رعب داب میں سہل انگاری نہ کرے اور دولت مندوں کو رجا اور خوف سے راہِ راست پر لائے۔
۱۰۔ عقل مندی اور غور و فکر سے کام لے۔ بادشاہ اور حاکم پر واجب ہے کہ حوادث سے پیدا ہونے والے مختلف واقعات کے آغاز کو بڑی گہری نظر سے دیکھے!

اسی طرح رعایا کے حقوق و فرائض کے بارے میں بھی ۲۰ نکاتی اصول اور ذمیوں کے حقوق کا بھی تذکرہ ہے جو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔

آخر میں ہم حضرت شاہ ہمدانؒ کے فلسفۂ سیاست کا نچوڑ اُن کے اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں ــــــــ

"اچھی طرح جاننا چاہیے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری اٹھانا بہت ہی مشکل کام ہے اور امورِ سلطنت کا سنبھالنا ایک دشوار امر ہے اور جب بادشاہ اور حاکم عدل اور انصاف پر عامل ہوں اور حدودِ شرع اور احکامِ دین کے جاری کرنے میں دل و جان سے کوشش کریں تو وہ زمین میں نائب اور خدا کے برگزیدہ اور ظلِ اللہ اور خلیفۂ رحمٰن پکارے جاتے ہیں اور جب عدل اور احسان کا طریقہ چھوڑ دیں۔ اللہ کے بندوں پر مہربانی نہ کریں۔ نفس و ہوا کی پیروی کریں اور شرعی حدود کی اقامت میں عمداً غفلت اختیار کریں تو وہ نائبِ دجال، دشمنِ خدا و رسولؐ اور خلیفۂ شیطان کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔"

اس ضمن میں شاہ ہمدانؒ نے ہر دور کے لیے ایک خوبصورت اور قابلِ عمل روایت درج کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"کسی شخص نے شیخ حسن بصریؒ کو خط لکھا کہ مجھے عمرؓ بن خطاب کی خصلت کے بارے میں اطلاع دیجیے۔ میں ان کی عادات پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ نے جواب میں لکھا کہ ـــــ "تو عمرؓ کے زمانے میں نہیں ہے اور تیرے لواحق عمرؓ کے لواحقوں کی طرح نہیں ہیں۔ اگر تو اس زمانے میں خلقت کے درمیان عمرؓ کی طرح رہے اور وہ کرے جو انہوں نے کیا تو عمرؓ سے اچھا ہوگا۔"

آج دنیا اپنی عالمگیر بھلائی کے لیے مختلف نظریوں کے پیچھے بھاگ رہی ہے اور جدید سیاسی مفکرین اپنی فکری منازل طے کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ اسلام ہی عہدِ حاضر کی کلفتوں کو ختم کرنے کا سامان رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ جدید میں فکرِ اقبال کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل

ہو رہی ہے ؂

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقرِ غیور
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم

اور اگر کہا جائے کہ فقرِ غیور سے مراد افکارِ شاہ ہمدانؒ بھی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ محرمِ اسرارِ شاہاں بھی تھے ___ اور جن کے دست و بازو نے قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم انسانیت کی رہنمائی کے لیے افکار و نظریاتِ شاہ ہمدانؒ سے استفادہ کیا جائے کیونکہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ ویسا ہی ہے جو ساتویں صدی ہجری کا تھا اور آج بھی امیر تیمور کے دیس سے سرخ آندھی اٹھ رہی ہے۔ افرنگی استعمار کسی اور شکل میں مشرقِ اوسطیٰ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مسلم ممالک آپس میں دست و گریباں ہیں لیکن افسوس! کہ آج امت میں کوئی شاہ ہمدانؒ نہیں جو ہمدان سے اٹھے اور عراق و ایران کی جنگ کو بند کرائے ___ اور آج کے دور کے فیروز شاہ تغلق اور شہاب الدین کے ہاتھوں سے تلواریں چھین لے اور محبت و اخوت کا درسِ عمل دے۔

ہماری دانست میں علمی، ادبی اور فکری و نظری سطحوں پر شاہ ہمدانؒ کے پیغام کی تبلیغ و اشاعت وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے!

حواشی

۱۔ علی اصغر حکمت : سید علی ہمدانی ص ۱۹۵

۲۔ بشیر احمد ڈار : انوارِ اقبال ص ۵،

۳۔ کلیاتِ اقبال، فارسی : ص ۴۶،

۴۔ ایضاً ص ۵۲،

۵۔ پاکستان میں فارسی ادب : ص ۴۲۵

۶۔ ذخیرۃ الملوک : ترجمہ مولوی غلام قادر : ص ،

۷۔ ماہِ نو: مارچ ۱۹۶۹ء

۸۔ رقعے دے گو لرال کلاد ہو : امیر تیمور

۹۔ شبلی نعمانی : شعر العجم ص ۲، ۳

۱۰۔ ایضاً ص ۴

۱۱۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی : معیار العلما : ص ۳۵

۱۲۔ قاضی جاوید : ہندی مسلم تہذیب، ص ۴۹۴

۱۳۔ "ہندی مسلم تہذیب" کے مصنف قاضی جاوید نے اس شور و فساد کا اجمالاً ذکر کیا ہے کہ ریاستی امور میں عقیدہ پرستی کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ہندو، شیعہ اور صوفی، سلطان کے عتاب کا شکار ہو رہے تھے۔

۱۴۔ منشی محمد الدین فوق : تاریخِ کشمیر جلد دوم : ص ۱۷، ۱۸

۱۵۔ کلیاتِ اقبال، فارسی : ص ۵۰،

۱۶۔ شیخ محمد اکرام : آبِ کوثر : ص ۳۷۷

۱۷۔ ایضاً ص ۳۷۷ (حاشیہ)

۱۸۔ پروفیسر خورشید احمد : مسلمانوں کے سیاسی افکار : ص ۴۲

۱۹۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر : سید علی ہمدانی : ص ۲۰۴

۲۰۔ علامہ محمد اقبال : تشکیلِ جدیدِ الٰہیاتِ اسلامیہ : ص ۲-۱۵۰

گوشۂ اقبال میں ۱۹۸۸ کے اقبالیاتی ادب کا اضافہ

۱۔ فوق، محمد الدین۔ تذکارِ اقبال، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی۔ لاہور: بزمِ اقبال ۲ کلب روڈ۔ ۱۹۸۸، ص ۲۷۵۔ قیمت ۴۵ روپے

۲۔ مہر، غلام رسول۔ اقبالیات، مرتبہ امجد سلیم علوی۔ لاہور: مہر سنز، وحدت روڈ۔ ۱۹۸۸۔ ص ۲۶۹۔ قیمت ۱۰۰ روپے

۳۔ مینوی، مجتبیٰ۔ علامہ اقبال، ترجمہ از صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، لاہور: بزمِ اقبال، ۲ کلب روڈ۔ ۱۹۸۸، ص ۱۲۸۔ قیمت ۳۵ روپے

۴۔ ناشاد، ارشاد علی، و اے حسینی۔ معلوماتِ شاعرِ مشرق، لاہور ۲: مکتبہ القریش اردو بازار۔ ۱۹۸۸، ص ۲۰۰، قیمت ۱۵ روپے

۵۔ نذیر نیازی، سیّد۔ دانائے راز۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۹ میکلوڈ روڈ ۱۹۸۸۔ ص ۳۹۹، قیمت ۷۵ روپے

۶۔ وحید الدین، فقیر سیّد۔ روزگارِ فقیر۔ لاہور ۲: مکتبہ تعمیرِ انسانیت اردو بازار۔ ۱۹۸۸۔ دو جلدیں، قیمت ۱۵۰ روپے

۷۔ ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین۔ ۱۹۸۶ کا اقبالیاتی ادب: ایک جائزہ۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان ۱۱۶ میکلوڈ روڈ۔ ۱۹۸۸، ص ۲۷۲، قیمت ۴۵ روپے

۸۔ یونس جاوید، مرتب۔ اقبالیات کی مختلف جہتیں۔ لاہور: بزمِ اقبال ۲ کلب روڈ ۱۹۸۸۔ ص ۳۸۴، قیمت ۷۵ روپے